Majallah-e-Tahqiq (ISSN 1991-699X)
Research Journal of
the Faculty of Oriental Learning
Vol: 45, Sr. No.135, 2024 pp 99 - 116

مجلہ تحقیق
مجلہ کلیہ علومِ شرقیہ
جلد ۴۵، شمارہ ۱۳۵، اپریل۔جون ۲۰۲۴ء

ناول ''صفر سے ایک تک'' میں سائبر تصورات کی پیش کش
(موضوع، زبان اور تکنیک کے تجربات)

☆ محمد محسن خان ☆☆ ڈاکٹر حماد رسول

Abstract:

Advancement of computer and the Internet, rapidly changing in information technologies and communication technologies are becoming essential for many changes in the activities and daily lives of millions of people. New inventions have made our lives more and more complicated. The novel is the genre that has the power to present the expression of the rapidly changing situation of the world in an appropriate and effective manner. In this article, a special study of the concepts of cyber culture in the novel of Mirza Athar Baig's entiled *Cipher Se Aik Tak* and it is seen how information technology and cyber culture influence the subject, language and techniques.

Key words: Cyberculture, cyborg, information technology, novel, criticism, modernism, postmodernism, new technieques, subject, language, cyberfeminism

کمپیوٹر اور انٹرنیٹ کے پھیلاؤ کی بدولت برق رفتاری سے تازہ ہوتی نئی معلومات اور مواصلاتی ٹیکنالوجیز لاکھوں کروڑوں لوگوں کے افعال اور روزمرہ زندگی میں متعدد تبدیلیوں کا لازمہ بنتی جا رہی ہیں۔

☆ پی ایچ ڈی سکالر شعبہ اردو، بہاء الدین زکریا یونیورسٹی، ملتان
☆☆ اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اردو، بہاء الدین زکریا یونیورسٹی، ملتان

نت نئی ایجادات نے ہماری زندگیوں کو پیچیدہ سے پیچیدہ تر بنا دیا ہے۔انسان زندہ رہنے کے لیے جو طرزِ عمل اختیار کرتا چلا جارہا ہے اس میں سائبر کلچر کی آمیزش بڑھتی جارہی ہے۔جس میں انفارمیشن ٹیکنالوجی انقلاب کی صورت اختیار کرگئی ہے۔

> "As a result, this phenomenon will not only act as a hardware but also as an effective software, and the depth of its impact will then increase as the tools and have new communication and information concepts and, as a result, civilization will be based on information."(1)

اس انقلاب نے ہمارے معاشرے کو انفارمیشن سوسائٹی (معلوماتی معاشرے) میں بدل کر رکھ دیا ہے۔اس طرح افراد اور علماء کے درمیان نئے پیراڈائم کی بنیاد رکھی گئی۔یہ تمثیل ہمارے روزمرہ کے رہنے کی جگہ میں دو طرح کے جہانوں ''حقیقی دنیا'' اور ''ورچوئل دنیا'' کو ظاہر کرتی ہے۔'حقیقی دنیا' جو ازل سے چلتی آرہی ہے جس کی تعمیر میں انسانی مداخلت اس طور نہیں جیسے 'ورچوئل دنیا' (سائبر اسپیس/ لامکاں) میں ہے جس کی ابتداء گزشتہ چند دہائیوں پر محیط ہے۔یہ دنیا انسانی مواصلات اور انفارمیشن ٹیکنالوجی کے انقلاب کا نتیجہ ہے۔سائبر اسپیس جسے دوسری دنیا کہا جاتا ہے، انسانوں کو ورچوئل ریئلٹی کے سامنے لاکھڑا کرتی ہے۔اس میں انسانوں کو کثیر الجہت ماحول، تہذیب، ثقافت اور علوم کا سامنا رہتا ہے۔'سائبر اسپیس' کی اصطلاح سب سے پہلے ولیم گبسن نے اپنے ناول *Neurommancer* میں متعارف کرائی۔سائبر اسپیس کی تعریف ڈیوڈ بیل یوں کرتے ہیں:

> "Cyberspace is a term used to describe the space created through the confluence of electronic communications networks such as the Internet which enables computer mediated communication between any number of people who may be geographically dispersed around the globe. It is a public space where individuals can meet, exchange ideas, share information, provide social support, conduct business, create artistic media, play simulation games or engage in political discussion. Such human interaction does not require a shared physical or bodily co-presence, but is rather characterized by the interconnection of millions of people throughout the world communicating by email, Usenet newsgroups, bulletin board systems, and

chat rooms."(2)

سائبر اسپیس اس طاقت کی تبدیلی اور ترقی کا نتیجہ ہے جو ہماری روزمرہ کی زندگی کے مختلف پہلوؤں کو یکجا کرتی ہے اور انسانوں کو بات چیت کی نئی شکلوں سے روشناس کرتی ہے جس کا انحصار اب ایک مخصوص جغرافیائی جگہ پر لوگوں کی موجودگی پر نہیں رہا۔ سادہ لفظوں میں سائبر اسپیس وہ جگہ ہے جہاں رنگ، نسل اور ذات سے ماورا ہو کر کسی بھی خطے کا فرد شامل ہوسکتا ہے۔ سائبر دنیا میں ایسے فرد کو سائبورگ (Cyborg) کہا جاتا ہے۔ سائبرگ ''سائبرنیٹک آرگنزم'' (Cybernetic Organism) کی مختصر شکل ہے جو نامیاتی (ساج سے تعلق رکھنے والی مخلوق، یعنی انسان) اور مصنوعی (مشین) دونوں اجزاء کو یکجا کرتا ہے۔ سائنس فکشن ادب اور فلموں میں، سائبرگ کو اکثر انسانی اور مشینی عناصر کے امتزاج کے ساتھ کرداروں کی اشکال میں پیش کیا جاتا ہے۔ (۳)

ناول وہ صنف ہے جو دنیا کی تیزی سے بدلتی صورت حال کے اظہار کو موزوں اور موثر انداز میں پیش کرنے کی طاقت رکھتا ہے۔ ویسے بھی اردو ناول کو اکیسویں صدی کا رزمیہ قرار دیا جارہا ہے۔ اس موقف کو مرزا اطہر بیگ کا ناول ''صفر سے ایک تک (سائبر سپیس کے منشی کی سرگزشت)'' (۲۰۰۹ء) تقویت فراہم کرتا دکھائی دیتا ہے۔ ناول کا عنوان ہی 'صفر سے ایک تک' کمپیوٹر دنیا میں بے پناہ وسعتوں کا حامل ہے۔ صفر سے ایک تک (زیرو ٹو ون) کمپیوٹر کی مخصوص زبان Binary Language سے ماخوذ ہے جس کے ذریعے کمپیوٹر کو ہدایات دینے کا عمل ممکن بنایا جاتا ہے اور اسے کمپیوٹر پروامنگ بھی زبان بھی کہتے ہیں۔

''اصل جکڑ بندی تو تمام دنیا میں اب اِسی زیرو وَن کی ہے۔ سارا کھیل صفر سے ایک تک کا ہے۔'' (۴)

ناول کا انتساب مصنوعی ذہانت (Artificial Intelligence) کے بانی ''ایلن ٹیورنگ کے نام'' کیا گیا ہے۔ مصنوعی ذہانت ایک ایسا علم ہے جو انسانی دماغ کی ذہانت کو ماڈل بنانے اور اس کے نفاذ کی کوشش کرتا ہے۔ علمی تحقیق کے میدان میں مصنوعی ذہانت کی ترقی کا تعلق سائبر کلچر/سپیس کے بنیادی سوالات ''کیا کمپیوٹر سوچ سکتا ہے؟''، ''کیا سوچ رہا ہے؟''، ''انسانوں کو مشینوں سے کیا الگ کرسکتا ہے؟'' وغیرہ کو حل کرنے سے ہے۔ اردو ناول میں سائبر اسپیس کی اصطلاح کا سب سے پہلے استعمال مرزا اطہر بیگ نے اپنے ناول ''صفر سے ایک تک'' میں کیا ہے۔ ناول نگار سائبر سپیس کی تعریف فکشن کی زبان میں کچھ اس طرح کرتا ہے:

''دنیا بھر کے کروڑوں کمپیوٹروں کے ادغام سے جنم لینے والا لامکاں ہے اور جس میں سفر کا آغاز کرنے کے لیے آپ انٹرنیٹ کے برقیاتی دروازے پر اپنے ماؤس کی کلِک سے دستک دیتے ہیں اور پھر digital pulse کی گاڑی پر سوار ہو کر منزلیں طے کرتے جاتے ہیں۔'' (۵)

ناول کی کہانی کا زمانہ بیسویں اور اکیسویں صدی کی آخری دو دہائیوں اور ابتدائی دہائی کے سنگم پر ترتیب پاتا ہے۔ ناول کے دو مرکزی کردار؛ ذکاءاللہ اور فیضان سالار کا تعلق نئی نسل اور جدید صارفی کلچر کے نمائندہ ہیں۔ یہ دونوں کردار اسم بامسمیٰ ہونے کے ساتھ ساتھ کمپیوٹر کی بائنری زبان کی طرح کہانی میں چاہتے نہ چاہتے ہوئے شروع سے آخر تک ربط بھی قائم کیے ہوئے ہیں۔ ذکاء کا تعلق کوتل سالاراں کے غریب (کمی کمین) خاندان سے ہے۔ جن کے بزرگ نسل در نسل صدیوں سے سالار خاندان کے منشی ہیں۔ وہ (ذکاء) اپنی ذہانت اور فطانت کے ذریعے غربت کے مسائل کو پاٹنے کی کوشش میں کمپیوٹر پروگرامنگ، سافٹ انجینئرنگ اور کمپیوٹر ہارڈ ویئر کے شعبے میں مہارت حاصل کرتا ہے۔ جدید صارفی کلچر میں وسائل کی کمی اور معاشرتی طور پر کمزور بیک گراؤنڈ کی بابت فیضان سالار کا سائبر سپیس منشی بننے پر ہی اکتفا کرتا ہے۔ فیضان سالار کا تعلق جاگیرداری سے صنعتی/سرمایہ دار سماج کی طرف ارتقاء کرتے گھرانے سے ہے۔ لیکن یہ (فیضان) کردار اپنی خاندانی روایات سے انحراف کرتے ہوئے سائبر کلچر دنیا میں اپنی منفرد اور حقیقی شناخت بنانے کا خواہاں ہے۔

ذکاءاللہ (ذکی، ذکو) کی زبانی ناول ''صفر سے ایک تک'' میں سائبر سپیس کی منشی سرگزشت بیان کی گئی ہے جس میں جدید سائبر کلچر کی متنوع حکمتِ عملیوں کو موضوع بنایا گیا ہے۔ سالار خاندان جو جاگیردارانہ سماج سے آگے بڑھنے کی خواہش میں صنعتی اور سرمایہ دارانہ سماج کے دَر پر دستک دے رہا ہے۔ جاگیردار خاندان اپنے ترقی کے پختہ ارادوں کی تکمیل میں کس طرح اوچھے ہتھکنڈوں کا استعمال کرتا ہے۔ گاؤں کا یہ سالار خاندان جاگیرداری سماج سے نکل کر نئے مقتدر صنعت کار، سرمایہ دار اور بیوروکریٹ کے احاطے میں شامل ہونے کے لیے سالار برادری، سالار نیٹ ورک اور سپر سالار نیٹ ورک کی صورتیں اختیار کرتا ہے۔ مختلف نیٹ ورکس کا یہ جال قبضہ گروپوں کے نیٹ ورک سے جڑ کر ایک بڑے نیٹ ورک میں ضم ہو جاتا ہے، یہ اتحاد مشترکہ مفادات اور جملہ مقاصد کا حصول ہے۔ اس ساری صورت حال کو مرزا اطہر بیگ نے کمپیوٹر اور سائبر کلچر کی زبان میں پیش کرنے بھرپور سعی کی ہے۔

ذکاءاللہ کمپیوٹر اور انٹرنیٹ سے آگاہی حاصل کرنے کے بعد اپنے والد منشی عطاءاللہ کو سالار خاندان کے روایتی کاموں؛ ملکیتی دعوؤں کے اعداد و شمار، بہی کھاتوں کے حساب کتاب، جمع خرچ کا کام پکا کرنے کے اندراجات کی ذمہ داریوں کو جدید خطوط پر انجام دینے کی عملی ترغیب اور عملی معاونت کرتا ہے۔ ممکن ہے ذکی کے ذہن میں پورے کمرے میں پھیلے رجسٹروں کی الماریوں اور قدیمی ضابطوں سے چھٹکارے کی غرض سے تمام مواد کو ایک جگہ کمپیوٹر مشین پر یکجا کرنا مقصود ہو، لیکن اس امر کی کھوج یا ادراک پورے ناول میں ممکن نہیں ہو پاتا۔ ناول کی کھلتی تہہ در تہہ صورتحال اور فیضان سالار کے خاندان کی خواہش کے برعکس استاد کا شعبہ اختیار کرنا، ذکاءاللہ سے تحقیقی مقالات کی تکمیل میں سائبر دنیا سے مواد کے حصول میں

معاونت حاصل کرنا، بعدازاں اپنی صلاحیتوں کو بتدریج بہتر بناتے ہوئے حقیقی اور انقلابی لکھاری کی شناخت حاصل کرنا، گویا اپنے ہی خاندان سے خوامخواہ کی ٹکر لینے کے مترادف تھا جس کا عملی مظاہرہ اُسے انقلابی شخصیت بننے پر اٹھانا پڑتا ہے۔ ایسی صورت حال کو ناول نگار نے عصری معاشرے میں نوآبادیات یا نوآبادیاتی نظام کی نئی شکلیں دھارنے والی قوتیں، تسلط اور استحصال کے نظام آپس میں کیسے جوڑتی ہیں؟ جس کا اظہار ناول میں سائبر کلچر کی متعدد تکنیکس کے ذریعے جا بجا ملتا ہے۔

> ''کوتل سالاراں کی چاروں اطراف میں میلوں تک پھیلی زرعی اراضی سالار برادری کی ملکیت ہے۔ یہ اراضی ان لوگوں کی ملکیت کیسے بنی؟ اس میں بعض کافی پرانے سالار بزرگوں کے انگریز حاکموں سے بوسہ بازی کے یک طرفہ تعلق کا گہرا عمل دخل ہے اور یہ تعلق دست بوسی اور قدم بوسی سے لے کر خُصیہ بوسی تک پھیلا ہوا تھا۔ بہرحال یہ تاریخی عمل کوئی راز نہیں سبھی جانتے ہیں بلکہ پھر بھی میں نے اس کی تفصیلات اور دلچسپ حقائق اپنی ویب سائٹ www.munishi-in-cyberspace.com میں مہیا کردی ہیں۔ آپ سائٹ میں جائیں تو links میں آپ کو Salar origins کا لنک نظر آجائے گا۔ یہیں سب کچھ ہے۔''(۶)

گو کہ بین الاقوامی اور قومی سطح کے صنعت کاروں اور سرمایہ داروں نے جدید پیداواری دور میں نوآبادیات کی نئی شکلیں، بھیس اور روپ اختیار کرلیے ہیں جو اپنی وارداتوں اور حکمتِ عملیوں کو مصنوعی ذہانت اور جدید ٹیکنالوجی کے ذریعے یقینی بنارہے ہیں۔ ناول کا ایک گروہ جو نئے نوآبادیاتی کردار کا حصہ بننے کے لیے زرعی سے صنعتی/سرمایہ داری سماج کی طرف سفر کرتے ہوئے، جدید ٹیکنالوجی سے تو خوفزدہ دکھائی دیتا ہے مگر عملی طور پر جدید ٹیکنالوجی سے لیس ناول کے نمائندہ کردار ذکاء اور فیضان ان گروہوں پر جدید سائبر ٹولز کے ذریعے حملہ آور ہوتے ہیں تب سرمایہ دار گروہ اپنی طاقت کا استعمال کرتے صاف بچ نکلتے ہیں اور انہیں منہ کی کھانی پڑتی ہے۔

درج بالا اقتباس میں ناول نگار نے سالار خاندان کی پیشگی ارادی فکر 'یہیں سب کچھ ہے'، ابتداء میں ہی متعین کردی ہے۔ زلیخا خلی سے ناول کے اہم واقعات کی سانجھ ذکاء اللہ بذریعہ سائبر ٹیکنالوجی کرتا ہے۔ زلیخا خلجی نامور انڈسٹریل شہریار خلجی (پاکستانی نژاد/ فرانس سفارت خانے کا ریٹائرڈ افسر) کی دختر کا تعلق فرانس اور صحافتی شعبہ سے وابستہ ہے جبکہ زلیخا کی والدہ فرانسیسی خاتون ہے۔ شادی کی تقریب میں شرکت اور لاہور سیاحتی غرض سے زلیخا سالار برادری کی مہمان بنتی ہے، تقریب میں سالار برادری کی اوچھی حرکتوں سے تنگ آکر غیر سالار ذکاء اللہ سے متعارف ہوتی ہے جو سالار برادری کو ناگوار گزرتی ہے۔ زلیخا دورانِ تقریب ذکی سے سالار برادری کے لوگوں کی غیر مہذب حرکات وسکنات، خفیہ ومشکوک رویوں کے

بارے میں دریافت کرنے کی کوشش کچھ ان الفاظ ''کیا سالار خوشحال، مفلس، بزنس، مذہبی یا مافیا فیملی ہے'' میں کرتی ہے۔ تقریب کے اگلے ہی دن اپنی مرضی سے زلیخا خلجی کا پراسرار طور پر سالار منزل سے غائب ہونا اور معین شیڈول کے خلاف فرانس روانہ ہونے کی اطلاع کے نتیجے میں ذکاء عرف ذکی کو پُراسرار طور پر آرے ٹال کی قید کی برداشت کرنی پڑتی ہے۔

ناول کے چند ضمنی کردار جن کا تعلق نصف بیسویں صدی سے ہے۔ کہانی کے اختتام تک کسی نہ کسی طور کمپیوٹر اور سائبر دنیا کی حقیقیت کو ماننے، متاثر ہونے، استعمال کی تشنہ خواہش لیے یا اپنی ضرورت کے تیئں کم وبیش برتتے بھی دکھائی دیتے ہیں۔ ناول کا پچھتر سالہ کردار منشی عطاء اللہ جو کبھی کمپیوٹر کے نام سے ہی بھی نا آشنا تھا اور کمپیوٹر مشین کو ہڈحرام انگریزوں کی ایجاد تصور کرتے ہوئے، انہیں محنت سے عاری لوگ قرار دیتا تھا۔ لیکن وقت گزرنے کے ساتھ کمپیوٹر اور سائبر کی اہمیت وافادیت کو مانتے ہوئے، اپنے ہم عمر ریٹائرڈ استاد و ہیڈ ماسٹر کو موسم اور زلزلوں کی پیشگی معلومات کے حق میں دفاع کچھ اس طرح سے کرتا ہے:۔

''نہیں'' اچانک ابا جی کی اک کراری تردید سنائی دی ''نہیں اللہ داد اب وہ کہتے ہیں ان کا بھی کچھ ہو جائے گا۔ اور کچھ نہیں تو آنے سے پہلے ہی پتہ چل جائے گا۔''

تجھے کس نے کہا''۔ ماسٹر اللہ داد نے حیران اور قدرے غصیلی آواز سے پوچھا۔

''انٹرنیٹ پر۔ خود پڑھا ہے میں نے۔۔۔۔''(۷)

ناول ''صفر سے ایک تک'' کا زمانی معروض اکیسویں صدی کے ابتدائی چند برسوں تک محیط ہے۔ جہاں انٹرنیٹ کے استعمال اور سائبر وسائل کی کمی میں جابجا دشواریاں دکھائی دیتی ہیں۔ اسی لیے عصر حاضر کی نئی ٹیکنالوجی کے جدید آلات و استعمالات (مثلاً مختلف ایپلی کیشنز، فیس بک، ٹوئٹر، انسٹاگرام، ایکس، لائن وغیرہ) کا عمل دخل ندارد ہے لیکن ناول میں سائبر دنیا کی پرانی شکلیں ای میل، میسنجر، بلاگز، ویب سائٹس اور آڈیو وڈیو ریکارڈنگ کے استعمالات قاری کو موضوع، زبان اور تکنیک کے نئے تجربات روشناس کراتی ہے۔

ذکی کا کردار سائنس اور ٹیکنالوجی کے استعمال کرتے ہوئے جدید عہد کا متحرک نمائندہ ہے جو کسی بھی لفظ کی تہہ تک جانے کے لیے اسے search engine کے سپرد کرتا ہے اور معلومات کا حصول ممکن بناتا ہے۔ اپنے خاندان پر چھائی غربت کی تاریکیوں کو دور کرنے کے لیے اس ٹیکنالوجی کو بطور ہتھیار استعمال کرتا ہے اور اسی ڈگر پر چلتے ہوئے ہوئے اپنے لیے پسندیدہ شریکِ حیات کی راہیں ہموار کرتا۔ زلیخا خلجی کا ذکی کے پیشے کی ستائشی قبولیت کسی منطق سے کم نہ تھی جس کی گونج پورے ناول میں جابجا ملتی ہے:۔

''میں کمپیوٹر لوگوں سے بہت متاثر ہوتی ہوں۔ کیونکہ you know یہ دنیا اب ان کی ہے۔ پروگرامر۔۔۔ پھر تو تم سالار لوگوں کا دو اور دو چار جانتے ہوگے۔ کمپیوٹر پروگرامرز کافی حسابی لوگ نہیں ہوتے کیا؟''(۸)

نامیاتی انسان اور مشینی اختلاط کی صورت تشکیل پاتا ''صفر سے ایک تک'' کا مرکزی کردار ذکاء/ ذکی کہانی کا سائبرگ (Cyborg) معلوم پڑتا ہے۔نوم چومسکی نے اگر زبان کو انسانی دماغ کا ایک آرگن کہا تھا تو اب زبان کے ساتھ ساتھ سائبر دنیا سے جڑی حقیقتیں انسانی دماغ کے آرگن کی جگہ لے چکی ہے جو ہمارے شعور کو نئی بالیدگی عطا کر رہی ہے۔ذکی جو آر ے ٹال کی قید کاٹ کر نفسیاتی ہیجانات کا شکار ہو جاتا ہے۔ دورانِ تقریب زلیخا خلجی سے طویل گفتگو اور اس کے فوری ردِعمل میں سالار برادری کا تحقیر آمیز رویہ اختیار کیا جانا اُسے اپنی پراسرار قید کا واحد سبب دکھائی دیتا ہے۔مسلسل بڑھتی نفسیاتی کیفیت کے اظہار یا تدارک کے لیے زلیخا خلجی کو بھی غیر موزوں جاننے کے بعد ارد گرد کسی کو اپنا نہ پا کر تنہائی کے عالم میں ورلڈ وائڈ ویب کو برتر ذات سمجھتے ہوئے، اپنا مسیحا مان بیٹھتا ہے۔ ورلڈ وائیڈ وائب کا یہ سلسلہ پوری کہانی پر پھیلتا ہوا دکھائی دیتا ہے:

> ''شاید یہ سب سوال اُس وقت میرے ذہن میں جنم ہی اس لیے لے رہے تھے کہ جوابات کے منبع کی ہر دم موجودگی کا احساس (اطلاع) بھی ہر دم موجود تھا۔سائبر کائنات میں اطلاعات کے سب سے بڑا خدا www کے وجود سے انکار کسی صورت ممکن نہیں تھا۔''(۹)

ذکی جب انسانوں سے بیزار ہو جاتا ہے تو وہ اطلاعات کے سب سے بڑے خدا کی عبادت میں پناہ لیتا ہے جس تک پہنچنے کے لیے ہائپر ٹیکسٹ ٹرانسفر پروٹوکول ایک بنیادی ذریعہ بنتا ہے جو ورلڈ وائڈ ویب پر مواصلات کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ یہ اس بات کی وضاحت کرتا ہے کہ متن کے ذریعے تشکیل دیئے گئے پیغامات کس طرح معلومات کا ذریعہ بنتی ہے۔(۱۰)ایسی صورت حال کی عکاسی ناول نگار اپنے اظہارِ بیان کے ذریعے کچھ یوں کرتا ہے:

> ''آج browsing کی ایک نئی تعریف سے آشنا ہو رہا تھا جس کے مطابق browsing ایک digital عبادت ہے جس کے ذریعے عالمِ مطلق www کی خوشنودی حاصل کی جاسکتی ہے۔اس نئی digitalized عبودیت کی فضا میں جب keyboard کی طرف ہاتھ بڑھائے تو ایک لمحے کے لیے مجھے محسوس ہوا کہ مونیٹر کے سامنے سر جھکا رہا ہوں۔ ورچوئل مناجات کا وہ ایک طویل عمل تھا جس کے دوران ماؤس پر میرے ہاتھ کی انگلی تسبیح کے دانوں کی طرح کلِک کلِک کرتی رہی۔''(۱۱)

کہانی کے سفر کو آگے بڑھانے کے لیے مصنف قاری سے مخاطب ہونے کے لیے یا کرداروں کو فعال کرنے کے لیے اور واقعات کو ایک دوسرے جوڑنے کے لیے کئی متعدد تکنیکس اور ٹولز کا استعمال کرتا۔ مرزا اطہر بیگ مابعد جدید ناول نگار و تخلیق کار ہیں۔ مابعد جدیدیت کی بڑی خوبی تکثیریت پسندی ہے جو فکری اور تکنیک کے استعمال کی سطح پر ہو سکتی ہے۔ناول نگار کسی ایک تکنیک پر اکتفا نہیں کرتا بلکہ ہر لحظہ بدلتی

صورتحال کے ساتھ وہ تکنیکس بھی بدل دیتا ہے اور کہانی بیان کرنے کا انداز بھی۔ بدلتی تکنیکس معنوی تکثیریت، معنی کے نئے دَر کھولنے اور معنی کے نئے سراغ لگانے میں مصروفِ عمل دکھائی دیتی ہے۔ معانی کے ان ٹریسز کو پا کر قاری ایک نئی معنویت سے ہمکنار ہوتا ہے۔

ویب لاگنگ (web logging) کو مختصر کرتے ہوئے اس کا مخفف بلاگنگ (blogging) کے طور پر مستعمل ہے جو سائبر دنیا میں ویب سائٹس پر مبنی تحریر اور اشاعت کی حالیہ اور تیزی سے پھیلتی ہوئی شکل ہے جسے ایک طرح ڈائری کی جدید شکل بھی تصور کیا جاتا ہے جس میں افراد اپنے ذاتی خیالات اور معلومات کو تاریخی اعتبار سے محفوظ اور ان کا پھیلاؤ ممکن بنا سکتے ہیں۔ بلاگنگ کو دیگر متنوع مقاصد صحافت، تدریس اور مذاکرے کے لیے بھی استعمال کیا جا سکتا ہے۔

ذکاء اللہ دورانِ تقریب سالار برادری کے ناروا سلوک کے نفسیاتی کرب کو ''گھناؤنی شام'' کا عنوان دیتا ہے۔ گھناؤنی شام کو ویب سائٹ پر تلاش کرنے سے دَر آنے والے بلاگز کی شکل میں تین واقعات کو زلیخا خلجی سے سانجھ کرتا ہے جس کے جواب میں زلیخا خلجی اپنے سوانحی معلومات، پاکستان آنے کے اغراض و مقاصد اور سالار خاندان سے تقریب کی شام تک کی ہونے والی نوک جھوک علامتی انداز میں اپنے سچے اور ذاتی بلاگ کے لنک کے ذریعے ذکی کو بھیجتی ہے۔ بلاگ کی صورت میں دَر آنے والے خارجی واقعات گھناؤنی شام کے تاثر کو بڑھانے اور زلیخا کا داخلی واردات پر مشتمل نجی نوعیت کا بلاگ کہانی کے مرکزی خیال تقویت دینے میں اہم کردار کرتے ہیں۔ ناول کے واقعات کی پیش کش میں ہم ایک نئی تکنیک سے آشنا ہوتے ہیں:

> ''hi ذکی اب میرے blog پر بھی تمھیں ایک گھناؤنی شام کا منظر نامہ (scenario) ملے گا۔ تم نے تین دلچسپ منظر نامے بھیجے۔ تو یہ چوتھا ہے جو پتہ نہیں اُتنا دلچسپ ہے کہ نہیں لیکن سچا ہے۔''(۱۲)

جس طرح ناول چھوٹے چھوٹے واقعات سے جڑ کر کہانی کے مرکزی خیال کی طرف بڑھتا ہے، اسی طرح ناول نگار نئی سائبر تکنیکس کے ذریعے ان واقعات کو اپنی خلاقانہ صلاحیت سے قاری پر آشکار کرتا ہے۔ ناول نگار نے ''صفر سے ایک تک'' کی کہانی ویب سائٹ www.munshi-in-cyberspace.com کے ذیلی لنکس یا صفحات میں بکھیر دی ہے۔ انفارمیشن ٹیکنالوجی کی یہ مسلم حقیقت ہے کہ معلومات کی تمام تر حرکیات ویب سائٹ کے مرکزی دروازے سے داخل ہونے پر ہی میسر آ سکتی ہیں۔ ناول نگار کا سائبر شعور اس قدر پختہ ہے کہ جدید ٹیکنالوجی کی پیچیدہ حرکیات کو بیان کرنے میں باریک بینی سے کام لیا ہے۔ کہانی کے ذیلی وقت مختلف تکنیکس کے ذریعے پیش کرتے ہیں۔ ویب سائٹ کے ذیلی صفحات کی تکنیک ملاحظہ کیجیے:

''ان تاریخی معلومات کے علاوہ کچھ بہت اہم data مجھے کوتل سالا راں کے قریب المرگ میراثی حُسو دادا سے ملا اور یہ data مجھے پھر بہت سے بعید المرگ میراثیوں کے قریب لے گیا اور میں نے ان تجربات کو اپنی سائٹ کے meeraseelore page میں اپلوڈ کر دیا۔''(۱۳)

ناول میں برقی رابطہ کی متعدد تکنیکس برتی گئی ہیں لیکن زلیخا اور ذکی کی پہلی خط و کتابت ای میل کے ذریعے ممکن ہو پاتی ہے ویسے بھی ای میل سائبر سماج کا پہلا مستند عوامی رابطہ کیا جاتا ہے جس نے متنی تحریر کی صورت میں دنیا بھر کے کاغذی پیغام رسانی کو حد تک متروک کر دیا ہے۔ ای میل بھی روایتی خط کی جدید ڈیجیٹل شکل تھی جس میں یک طرفہ بیان اور موقف کارفرما ہوتا ہے لیکن اس کی پہنچ ایک بٹن کے کلِک کی دوری پر تھا جو اس کا سب سے بڑا حسن اور عیب تھا۔

کہانی کے اہم عناصر میں مکالمہ نگاری خاصی اہمیت کی حامل ہے۔ مکالمہ کرداروں کی فطرت، جبلت اور شخصیت کے ساتھ ساتھ ماحول کی بھی نمائندگی کرتا ہے۔ ناول کے دو مرکزی کرداروں کے درمیان حقیقی بالمشافہ ملاقات میں جغرافیائی سرحدیں امر مانع ہوتی ہیں جنہیں پاٹنے کے لیے ناول نگار فوری پیغام رسانی (Instant Messages) کی تکنیک کو لاتا ہے اور کرداروں کی داخلی وارداتوں سے کہانی کے تاثر اضافہ ہوتا ہے۔ فوری پیغام رسانی حقیقی وقت میں مواصلات کے ذریعے متن پر مبنی بات چیت کا ذریعہ فراہم کرتا ہے جو جغرافیائی فاصلوں سے قطع نظر دوست احباب، خاندان، رشتہ دار اور یا یوں کہیں کہ جملہ کاروبارِ زندگی کے نئے طریقے سامنے لاتا ہے۔ زلیخا اور ذکی کا ایک مکالمہ ملاحظہ کیجیے:

▪ ذکی۔ مائی ڈیئر۔ میں۔ میں۔ میں تمھیں کیا کہوں۔ کاش میں تمہارے پاس ہوتی تم دیکھ سکتے مجھ پر کیا گزر رہی ہے۔ یہ ٹھنڈے لفظ بتا نہیں سکتے۔ فون پر بھی کم از کم ہم ایک دوسرے کی آواز سُن سکتے۔

▪ ہاں۔ مجھے افسوس ہے میں تمہیں پریشان نہیں کرنا چاہتا۔ میرا خیال ہے ہمیں واپس اسی کمرے میں جانا چاہیے جہاں میرا باس سالار فیاض مجھے کچھ کہنے والا تھا اور وہ چاروں لاتعلق آپس میں سالار باتیں کرتے تھے اور میرے اوپر وہی کیفیت طاری تھی جو ارادی۔غیر ارادی تھی۔(۱۴)

درج بالا مکالمہ دونوں کرداروں کی داخلی اور جبلی کیفیات جن میں مزید معلومات کی تشنگی، معلومات کی بہتات، ذہنی تناؤ کا سبب، جذبات کی ترسیل میں رکاوٹ شامل ہیں، جغرافیائی دوری کے سبب پیدا ہوتی ہیں۔ لیکن کچھ نہ ہونے سے بہتر یا ای میل کی یکطرفہ عمل داری سے نکل کر Instant Messages مکالمے کی ترسیلی جدت سے ہمکنار کرتا ہے۔

مکالمہ کی زبان سماج، عوام اور کرداروں کے قریب ہو تو کہانی پر تاثیر ہو جاتی ہے، چونکہ زلیخا خلجی

کی پرورش فرانسیسی ماحول میں ہوئی تھی اور اُردو زبان کو خال خال ہی جانتی تھی جو Instant Messaging پر کی جانے والی گفتگو سے زبان کے مسائل سے دوچار ہوتی ہے:۔

ذکی کہتا ہے۔فیضان کے اس سوال کا میں نے کیا جواب دینا تھا/ دینا چاہیے تھا۔لمحہ بھر پہلے مجھے علم نہیں تھا۔

- زلیخا کہتی ہے۔کیا مطلب؟
- وہی ڈرامے بازی کی کیفیت۔
- میں اب بھی نہیں سمجھتی، میں تمہاری term کو سمجھ رہی ہوں۔
- ہاں ایسا یقیناً ہوگا کیونکہ ہم انگریزی میں ''بات'' کر رہے ہیں جبکہ یہ term آدھی یورپین ہے یعنی ڈرامہ اور آدھی اردو یا مقامی یعنی لفظ ''بازی''۔ میں پوری کوشش کے باوجود (خیر میں کون سا انگریزی دان ہوں) ''بازی'' کا انگریزی متبادل نہیں تلاش کر سکا۔(۱۵)

زلیخا خلیجی 'ڈراما' کا لفظی ترجمہ تو سمجھتی ہے، جب یہی لفظ ''ڈراما بازی'' کی ترکیب میں استعمال ہوتا ہے، تب وہ محاوراتی معنی سے واقف نہیں ہوتی۔جیسے ہر زبان کے لفظوں کی ایک ثقافت ہوتی اس ثقافت کے تحت معنی کا ایک جہان آباد ہوتا ہے۔ایسا کوئی بھی ترجمہ بے معنی ہوتا ہے، جو لفظوں کی ثقافت سے واقف نہ ہو۔زلیخا خلیجی اس ترکیب کا مطلب نہیں سمجھ پا رہی ہوتی یا جتنا زبان اردو کا وہ علم رکھی ہے، وہ اس کے مطابق سمجھ نہیں پاتی، کیونکہ وہ لفظوں کو گہرائی سے ان کی ثقافت سے عدم واقفیت کی بنا پر نہیں جان پاتی۔اس وجہ سے مذکورہ ترکیب کی اصل معنویت کو سمجھنے سے قاصر ہے۔

فوری پیغام رسانی کی تکنیک کے ذریعے پیش کیے گئے درج بالا مکالمے، مکالمے کی بنیادی شرط جاذبیت، اپنائیت اور موزونیت کو پورا کرتے دکھائی دیتے ہیں۔chat کے دوران ذکی ایک لحظہ تاخیر سے پیغام کا جواب دیتا ہے تو اس دوران زلیخا کی حالت، پر اسرار اغواء اور قید کی اذیت کے ناسٹلجیا میں مبتلا کر دیتا ہے۔درج ذیل مختصر مکالمہ غیر مرئی دنیا کی حساسیت اور اپنائیت کی بھرپور عکاسی کرتا ہے:

ہاں۔chat میں اتنا لمبا لکھنے کے لیے غائب رہنا گھبراہٹ پیدا کرتا ہے۔

ہاں۔اگلی تحریر کے سکرین پر ظاہر ہونے تک کا انتظار۔۔۔۔۔(۱۶)

ناول نگار کہانی کو بیان کرنے کے لیے آڈیو ریکارڈنگ کی ایک انوکھی تکنیک کا بھی تجربہ ناول میں شامل کرتا ہے۔چونکہ زلیخا کے ایماء پر چیٹنگ کے دوران ذکی اپنی یادداشتیں یا سرگزشت لکھنے کی آمادگی ظاہر کر چکا تھا۔آرے ٹال کی قید جھیلنے کے بعد ذکی کسی پر بھی بھروسہ کرنے کے لیے تیار نہ تھا، لہٰذا اپنے دوست فیضان سالار کے درمیان ملاقاتوں کی گفتگو کو حساس ریکارڈ میں جمع کر کے کمپیوٹر میں آڈیو فائل TMS کے نام سے محفوظ کر لیتا ہے۔سانجھ کرنے کی غرض سے آڈیوز کے چیدہ چیدہ اور ضروری واقعات

زلیخا کو سنائے جاتے ہیں اور غیر ضروری واقعات و الفاظ کو حذف کرنے کا جدید سائبر طریقہ برتا گیا ہے تا کہ ایسے واقعات یا الفاظ زلیخا اور قاری کی ذات پر گراں گزرنے کا احتمال نہ ہو:۔

''ذ۔(اک دم سنجیدہ ہو جاتا ہے)'' دیکھو فیضان میرا خیال ہے اب ہمیں اسے ایک طرف ہٹا دینا چاہیے۔بس اتنا جان لینا کافی ہے کہ کبا گروپ سالار نیٹ ورک کا انٹلیکچول اور کلچرل رنگ ہے۔

ف۔'' کیا کہا تم نے؟ سالار نیٹ ورکWhat the Hell is That (وقفہ)

[میں یہاں اس آڈیو کو کافی آگے سے پکڑتا ہوں۔ درمیانی حصہ skip کرتا ہوں۔ وہ حرکت جو پرانے الیکٹرانک دور میں فاسٹ فاورڈ کہلاتی تھی۔ یہاں میری اور فیضان کی گفتگو اس کے انتہائی متوقع سوال کے حوالے سے آگے بڑھتی ہے۔جس کے لیے ظاہر ہے میں تیاری کر کے آیا تھا]۔''(۱۷)

ایک اور آڈیو فائل سے اقتباس ملاحظہ کیجئے:

''ف۔کیا سوچ رہے ہو۔

ذ۔ یار ویسے یہ ہے دلچسپ۔میرا مطلب یہ وعدہ معاف گواہ۔۔۔جرم میں برابر کا شریک ہوتا ہے لیکن بعد میں انکشاف کر کے اعتراف کر کے سب کی ۔۔۔Deleted۔۔۔ کر کے یہ جا وہ جا۔''(۱۸)

ناول نگار نے اپنے تئیں ''صفر سے ایک تک'' کو نئے ڈکشن، نئی اصطلاحات اور نئے کوڈز کو ایک ضابطے کی صورت میں متشکل کرنے کی کوشش کی ہے جس کے تحت ناول کی بدلتی صورت حال کو گرفت میں لانے کے لیے قاری سہولت محسوس کرتا دکھائی دیتا ہے۔ان کوڈز کی بُنت ناول نگار کمپیوٹر کی زبان میں کرتا ہے، جو پورے ناول پر چھائی رہتی ہے اور ناول میں ابلاغ پیدا کرتی ہے:

''سالار اور سپر سالار نیٹ ورک کی ورکنگ میں یہ intra salar informal interaction خصوصی اہمیت کا حامل تھا۔ جب میں نے اپنے مسئلے یعنی سپر سالار نیٹ ورک کیسے کام کرتا ہے؟ پر اپنا ماڈل بنایا اور پھر انگریزی زبان میں اس کی pseudo coding شروع کی تو مجھے احساس تھا کہ ان پارٹیوں کی multiple functionalities and modalities کو ماڈل کرنا ان کے لیے مناسب پروگرامنگ لینگوئج ڈھونڈ نا جان جوکھوں کا کام ہوگا اور واقعی ایسا ہی ہوا۔''(۱۹)

زندہ زبانیں اپنا ارتقائی سفر جاری رکھتی ہے۔سائبر کلچر کی وجہ سے بین الاقوامی سطح پر ہر لحظہ بدلتی مابعد جدید صورت حال کی بابت اردو زبان نے بھی جدید اصطلاحات کو خوش آمدید کہا اور انہیں جوں کا توں قبول کرتے ہوئے فکری اور اظہاری وسائل کا ذریعہ بھی بنا رہی ہے۔ڈاکٹر ناصر عباس نیّر اس بارے میں

لکھتے ہیں کہ ’’گلوبلائزیشن نے اردو زبان کو جس دوسرے زاویے سے متاثر کیا ہے، اسے عملی یا فنکشنل کا نام دیا جا سکتا ہے۔ فنکشنل انگریزی کی طرح، فنکشنل اردو رائج ہو رہی ہے۔ ہر فنکشنل زبان، زبان کی روایت، جمالیاتی اور اظہاری اقدار کے بہ جائے زبان کی عملی ضرورتوں کے تابع ہوتی ہے۔‘‘ (۲۰) اسی طرح کی صورت حال سے نمٹنے کے لیے ناول نگار نے دوسری زبان کے لفظوں کو اردو زبان کے قالب میں لانے کے لیے جزوی تصرف سے کام لیتے ہوئے نئے معنی اور کیفیت پیش کرنے کی کوشش کی ہے:

> ’’بھائی جان نے بھی میرے علاقے میں قیام کے اس فیصلے پر بہت خوشی کا اظہار کیا۔ اگرچہ منشی گیری کے کھاتوں کھتونیوں اور ان گنت رجسٹروں کو excel پر ڈالنے کے پراجیکٹ میں انہوں نے کسی خاص دلچسپی کا اظہار نہ کیا بلکہ اس قسم کے فقرے بھی کہے۔ تم دونوں پیو پُتر ’’کمپیوٹرائے‘‘ گئے ہو۔‘‘ (۲۱)

مصنف نے کمپیوٹر سے عدم دلچسپی رکھنے والے کردار ثناء اللہ کے سامنے کمپیوٹر حرکیات میں مصروف کرداروں سے بیزاری کا اظہار ’’کمپیوٹرائے گئے‘‘ طنزیہ انداز میں کرتا ہے جو نئی معنویت کی حامل دکھائی دیتی ہے۔

سائبر دنیا کے ادغام نے لفظوں کے بے پناہ ہیر پھیر اور غلط تلفظ کی ادائیگی نے زبان کو نئے خطرات اور مسائل سے دوچار کر دیا ہے جہاں غلط اور درست کی پہچان مٹتی جا رہی ہے۔ معلومات کا پھیلاؤ اس قدر شدید اور ناگزیر بنتا جا رہا ہے کہ فرد اپنی سائبر شناخت اور خود کو ٹرینڈ بنانے کے لیے اس جملے ’’بدنام نہ ہوں گے کیا نام نہ ہوگا‘‘ کے مصداق، بے سمت دوڑے جا رہے ہیں جہاں سے واپسی یا غلطی کو سدھارنے کا امکان معدوم دکھائی دیتا ہے۔ اسی پریشان کا اظہار کچھ ناول میں یوں ملتا ہے:

> ’’انہوں نے کہا تھا ’’انہوں نے ’’دوشیرہ‘‘ کو گاؤں سے نکلوا تو دیا ہے لیکن اس کا انجام اچھا نہیں ہوگا‘‘ یقیناً وہ دوشیزہ کہنا چاہتے تھے لیکن اپنی کسی درسی کتاب میں کتابت کی غلطی کی وجہ سے ’’دوشیرہ‘‘ پڑھ بیٹھے تھے لیکن اب جبکہ میں ادب ودب میں بھی کچھ یعنی کمپیوٹر پروگرامنگ کے باوجود منہ مار بیٹھا ہوں تو مجھے خیال آتا ہے کہ وہ کچھ ایسا غلط بھی نہیں کہہ رہے تھے سگو نامی اُس دوشیزہ کی پروفائل یقیناً اس نے نئے الفاظ کی تعبیر پیش کر سکتی تھی۔‘‘ (۲۲)

کہانی اپنے انجام کی طرف بڑھ رہی ہوتی ہے اور ذکاء اللہ کی سائبر کے وساطت سے بڑھتی زلیخا سے محبت کی گتھی سلجھتی الجھتی عجیب ہی منطق اختیار کرتی جاتی ہے۔ فرانس سے لاہور آمد کی خبر کے لیے ذکاء اللہ اور قاری برابر متجسس و متحیر رہتے ہیں۔ کہانی کے بہاؤ میں کبھی کبھار بوریت محسوس کرنے لگتی ہے تو ایسی صورت میں ای میل یا میسنجر کے ذریعے زلیخا کی سائبر دنیا میں آمد کی شنید ذکاء اللہ اور قاری کے لیے مرہم

کام کرتی ہے۔ قاری اپنی تمام تر توجہ مجتمع کر کے نئے واقعہ کی تشنگی مٹانے کے لیے محوِ قرأت ہو جاتا ہے۔ اس طرح بوریت بھی زائل ہو جاتی ہے اور کہانی آگے کی منزلیں طے کرنے کے لیے پھراٹے بھرنے لگتی ہے:۔

''میل باکس کھولا اور inbox پر اُچٹتی سی نظر ڈالی۔ فیضان کی میلوں کی لائین لگی ہوئی تھی پھر یک بارگی میرا دل زور سے دھڑکا۔ یہ ویسی ہی دھڑکن تھی جو گاموکو ناشتے کی ٹرے اٹھائے دروازے میں کھڑے دیکھ کر مجھے سنائی دی تھی مگر پھر بھی مختلف۔ زلیخا کی میل میرے لیے اتنی ہی غیر متوقع تھی کہ صبح گاموکی آمد۔ مگر زلیخا کی میل کا سبجیکٹ صبح نہیں بلکہ شام تھا اور وہ بھی ''آخری گھناونی شام''۔ یہ ہمارے درمیان عرصے سے چلنے والا ایک موضوع تھا مگر اس بار وہ اس پر کیا کہنے والی تھی میں کچھ نہیں جانتا تھا۔'' (۲۳)

سائبر فیمنزم مابعد جدید اصطلاح ہے جو حقوق نسواں اور ٹکنالوجی کے باہمی ربط کو پیش کرتی ہے۔ یہ دریافت کرتی ہے کہ ٹیکنالوجی کس طرح صنفی کرداروں، شناختوں اور طاقت کی حرکیات کو متاثر اور متشکل کرتی ہے۔ یہ بیسویں ویں صدی کے آخر میں معاشرے میں ٹیکنالوجی کی بڑھتی ہوئی موجودگی اور اس بات کو تسلیم کرنے کے ردعمل کے طور پر سامنے آتی ہے جس سے ڈیجیٹل دائرے میں صنفی مسائل واضح طور پر عیاں ہو جاتے ہیں۔ سائبر فیمنزم، اکثر ان طریقوں کا جائزہ لیتی ہے جن میں سائبر دنیا، ڈیجیٹل دنیا، نیٹ ورکس اور ٹیکنالوجیز یا تو روایتی صنفی اصولوں کو تقویت یا چیلنج کرتی دکھائی دیتی ہے۔ دیپانجلی 'سائبر فیمیزم' کے بارے میں یوں رقم طراز ہیں:۔

> " Cyberfeminism is a new term which advocates for fighting for those women who are victims of social media. It has emerged from the movement of "Feminism" which was formed to provide equal rights to women in legal, social and academic aspects."

جیسے کہ ناول کے ابتداء میں یہ بات کی گئی ہے کہ زیرِ نظر ناول کا زمانی معروض اکیسویں صدی کے ابتدائی برسوں میں تسوید پایا ہے جب سائبر دنیا کے سوشل میڈیائی ایپس عصرِ حاضر کی رواں جدت سے متعارف نہیں ہوئیں تھیں اور اُس وقت سائبر دنیا کا تیز ترین رابطے کا واحد ذریعہ ویب میسنجر تھا جس پر send کیا گیا پیغام کمان سے نکلا ہوا تیر سے بھی زیادہ خطرناک ثابت ہو سکتا تھا کیونکہ کمان سے نکلا ہوا تیر واپس کمان میں تو کسی صورت آ سکتا تھا یا نشانے پر پہنچے سے پہلے تھک کر گر سکتا تھا یا نشانہ خطا بھی ہو سکتا ہے لیکن میسنجر پر ایک بار کلِک ہوا پیغام نشانے پر پہنچ کر ہی دم لیتا ہے۔

ذکی گاموسے جنسی آسودگی اور اس کی ذات سے چھٹکارا حاصل کرنے کے بعد نفسیاتی اور تشکیکی مسائل کا شکار ہو جاتا ہے۔ غالب نفسیاتی کیفیت کے باعث جیسے ہی ذکی میسنجر پر زلیخا سے عمومی بات چیت

کے پیرائے سے نکل کر براہِ راست اُس کی کردارکشی پر اترتا ہے۔زلیخا جو مغربی اور مشرقی اقدار کا امتزاج ہے، کا سائبر نسائی شعور بیدار ہوجاتا ہے اور ذکی کی بے جا ہراسگی، دھونس جمانے اور نجی زندگی میں دخل اندازی پر(گو کہ زلیخا کو اس کے معروضی نفسیاتی عوراض کا ادراک بھی تھا اور اس کے ساتھ ساتھ طویل بے تکلفانہ سائبر دوستی کو بالائے طاق رکھتے ہوئے)سخت ردِعمل دیتی ہے:

او ہو تو کیا تمھیں اتنا بھی یاد نہیں۔ہم چار موقعوں پر اظہارِ محبت کر چکے ہیں۔اگر کہو تو chat کے ریکارڈ میں سے وہ چاروں chunk تمھیں واپس بھجوادوں۔

▪ اظہارِ محبت کے ریکارڈ رکھنے والے کیسے لوگ ہوتے ہیں میں کچھ کہہ نہیں سکتی۔لیکن ذکی تم بالکل نارمل باتیں نہیں کر رہے۔کیا تم drunk ہو۔

▪ نہیں

▪ پھر تمھیں کیا ہوا ہے۔تمہارا مسئلہ کیا ہے۔

▪ مجھے سونا مرنا ہوا ہے۔

▪ وٹ نان سینس۔

▪ کیا تم آل کے ساتھ سو رہی ہو۔

▪ شٹ اپ۔تمھیں جرأت کیسے ہوئی مجھ سے ایسا سوال کرنے کی۔تم ہوتے کون ہو ایڈیٹ۔"(۲۵)

سائبر ثقافت جہاں دور دراز بیٹھے اپنوں کو جوڑنے کا اہتمام کرتی ہے، وہیں انسانی رشتوں میں بیگانی اور اجنبیت کا بھی سبب بنتی ہے۔انسان کو جن رشتوں سے جڑنا چاہیے، جو اس کے حقیقی رشتے یا دستیاب رشتے ہوتے ہیں، انھیں لاشعوری طور عدم توجہ کا شکار کر دیتا ہے۔ذکی اسی طرح کا استحصال گامو نامی خاتون کا کرتا ہے۔گامو معمول کے مطابق ذکی کو فراہمی جنسی تسکین کے لیے لیپ ٹاپ چیٹنگ سے فراغت پانے کے انتظار میں رات بھر بُت بنی رہتی۔کی بورڈ پر انگلیوں کے ارتعاش سے چہرے کے لحہ بہ لحہ بدلتے تاثرات کا بغور جائزہ لینا گویا لیپ ٹاپ اُسے سوکن کے مترادف لگتا جسے اس برقی مشین (کمپیوٹر یا لیپ ٹاپ) کے نام سے بھی معلوم نہیں۔

"تمھیں پتہ ہے میں یہ کیا کام کر رہا ہوں۔یہ جو ہے کہ"۔میں نے عجیب ہونق سے انداز میں کہا۔

" لکھنے والا ٹیلی فون کر رہے ہیں۔وہ جو نئے آئے ہیں۔لوگ لکھ لکھ کر بات کرتے ہیں۔"(۲۶)

یعنی ذکی لاحاصل کے حصول کے لیے فینٹسی کا اس قدر شکار ہوجاتا ہے کہ وہ سائبر ثقافت کے ذریعے پوری دنیا کی معلومات اور فرانسیسی لڑکی زلیخا سے تو جڑا ہوتا ہے مگر اپنے اردگرد کے دستیاب قیمتی رشتے

کے ظاہر و باطن سے غافل ہے۔ گامو کا شکوہ اس قدر شدید ہے کہ اس کے ٹوٹے پھوٹے الفاظ چاہے جانے کی مکمل عکاسی کرتے ہیں۔ گامو کی خواہش تشنہ ہی رہتی ہے جو سائبر خلاء کی نظر ہو جاتی ہے۔

''گامو۔ کہنے کو تو بہت کچھ ہے ذکی بابو۔۔۔۔

ذکی۔ نہیں تم بات کرو گامو۔ کونسی بات۔ کونسی دل کی بات۔

گامو۔ وہی جو نہ تم نے کی نہ میں نے کی۔

ذکی۔ میں نے نہیں کی۔ کب نہیں کی؟

گامو۔ کبھی بھی نہیں کی تم نے بات۔ تم نے صرف کام کیا ہے۔'' (۲۷)

گو کہ گامو ذکی کی اہلیہ نہیں لیکن ان کے درمیان ایک واحد تعلق جنسی میلان ہے جسے ذہنی ہم آہنگی کی جانب بڑھانے کی ناکام کوشش گامو کرتی ہے۔

بڑے کینوس پر اگر دیکھا جائے تو سائبر کلچر نے حقیقی ازدواجی اور عائلی رشتوں پر بھی اثرات مرتب کیے ہیں۔ جس کی عملی مثال زلیخا، ذکی اور گامو کی تثلیث دکھائی دیتی ہے۔ ناول میں ذکی کی جنسی میلان میں ذہنی ہم آہنگی کی عدم موجودگی اور غیر مرئی دنیا میں موجود زلیخا سے ذہنی ربط ہے۔ مصنف ذکی اور زلیخا کے جنسی میلان کی واضح خواہش کا اظہار تو نہیں ملتا لیکن تحت اللفظ میں یہی امر مخفی دکھائی دیتا ہے۔ گامو کے چاہے جانے کی خواہش کے ردِعمل میں ذکی اُس سے کنارہ کشی کر لیتا ہے۔ مردانہ شکست و ریخت کے باعث نفسیاتی مسائل کا شکار ہو کر زلیخا سے تشکیکی اور اجنبی رویہ اختیار کر لیتا ہے۔

سائبر دنیا میں اجنبیت کی ایک صورت ویڈیو گیمز سے پیدا ہونے والی تناؤ کی کیفیت ہے۔ ویڈیو گیمز کا زیادہ تر رجحان نوجوان نسل میں پایا جاتا ہے جو ضرورت سے زیادہ ویڈیو گیمز کو تصرف میں لانے سے گویا سماج سے علیحدہ ہوتے نظر آتے ہیں۔ حقیقی دنیا کے مکالمے سے کٹ کر غیر مرئی دنیا میں آن لائن رہنے کو ترجیح دیتے ہیں۔ نت نئی چالیں چلتی اور عمیق تجربات فراہم کرتی ویڈیو گیمز جو کھلاڑیوں کو حقیقی دنیا کے مسائل سے بچنے کی ترغیبیں فراہم کرتی ہیں۔ افراد کو اگرچہ اس سے وقتی تسکین تو حاصل کر پاتے ہیں، لیکن گیمز پر بہت زیادہ انحصار حقیقی زندگی کی ذمہ داریوں اور سماجی عمل سے فراریت کا باعث بننے لگتی ہے، جس سے بیگانگی اور اجنبیت کے احساس کو فروغ ملتا ہے۔ اس کی عملی مثال ناول کے ضمنی کردار منیر کی ہے جو اپنے والد کے قتل کے بعد ویڈیو گیم کے کھیلنے میں فرار حاصل کرتا ہے لیکن وقت سے ساتھ ساتھ اس کا تناؤ اس قدر بڑھ جاتا ہے کہ وہ ویڈیو گیم کے کھلاڑی کی طرح جنونی روپ دھار لیتا ہے:

''tekken نامی ویڈیو گیم کھیلتا رہتا اور direction keys کی کلک کلک سے مسلسل خونخوار شکلیں اور بھیانک قوتوں کے حامل دشمنوں کو موت کے گھاٹ اتارنے کی کوشش کرتا رہتا۔ پھر ایک دن پتہ نہیں اسے کیا ہوا کہ گیم سینٹر چھوڑ کر وہ گیا اور ڈائرکشن کیز کی

بجائے پستول کے ٹریگر کی کلک کلک سے اُس نے کونسلر اور اس کے دو گرگوں کو گولی مار دی
پھر سیدھا تھانے چلا گیا۔''(۲۸)

سالاروں کی طاقت اور چال بازیوں سے تنگ پچھتر سالہ منشی عطاء اللہ اپنی زندگی کے معمول میں ایک جیسی گیمز کھیل کھیل کر یکسانیت کا شکار ہو جاتا ہے۔ عملی طور پر طاقتور سے سامنا نہ کرنے کے سبب، باطن کی تسکین کے لیے لڑنے اور بغاوت کی ایک حقیری سی خواہش ویڈیو گیمز کے طاقت کو ہرانے میں تلاشتا ہے، اقتباس ملاحظہ کریں:

''یہ تو نے اچھا کیا یار۔ایک ہی جیسی کھیل کھیل کر بندہ تنگ پڑ جاتا ہے۔کوئی جنگی گیم بھی
ہے۔''(۲۹)

تیزی سے بدلتی اس دنیا میں بل گیٹس نے آپریٹنگ سسٹم بنا دیا، سرجی برن نے سرچ انجن بنا دیا اور مارک زکر برگ نے فیس بک، جیک ڈورسے نے ٹوئیٹر، مائیک کریگر نے انسٹا گرام (سوشل میڈیا ایپلی کیشنز) بنا دیں۔انسانی بقاء اب برق رفتار دنیا میں ہی مضمر ہے کہ وہ اس کا مقابلہ کس طور کرتا ہے، پاؤں پاؤں ساتھ چلنا ہے یا اپنی نمایاں شناخت بنانی ہے تو کچھ منفرد اور نمایاں کر کے سامنے آنا ہوگا۔''صفر سے ایک تک'' ۲۰۰۹ء میں منظرِ عام پر آتا ہے۔اِسے اردو میں پہلا باقاعدہ سائبریت کا حامل ناول قرار دیا جا سکتا ہے۔ یہ سائبریت کا آج کی مانند عروج کی بجائے عبوری دور تھا۔سائبریت آج کے دور میں وسعت پا چکی ہے۔اگر مرزا اطہر بیگ آج اس موضوع پر لکھنے کے لیے قلم اٹھاتے تو ذکی اور خلجی کے لیے ای میل کی بجائے وٹس اپ، فیس بک یا ٹویٹر وغیرہ کی تکنیک کو بروئے کار لاتے۔

اس سے پہلے اردو ناول میں سائبریت کی مثال نہ ہونے کے باوجود ناول نگار نے سائبریت کے موضوع کو عمدگی سے نبھایا ہے۔سائبریت سے متعلقہ پندرہ سال پہلے تمام تکنیکس کو بروئے کار لائے ہیں۔

مابعد جدید تخلیق کار ہونے کے ناطے ناول نگار نے فکشن کی روایتی زبان کو بالائے طاق رکھتے خالصتاً کمپیوٹر اور سائبریت کی اپنی الگ سے زبان متعارف کرائی ہے۔جس طرح غیر مرئی دنیا کے باشندے (صارفین) ہر لمحہ بدلتی داخلی اور خارجی صورت حال کے پیشِ نظر متحرک اور بے چین دکھائی دیتے ہیں، اسی طرح ناول نگار کہانی بُننے کے فن میں متحرک ملتا ہے۔اگر یوں کہا جائے کہ سائبر سپیس کے منشی کی سرگزشت بیان کرتے ہوئے، اُردو دنیا میں سائبر کلچر کی جمالیات مرتب ہو گئی ہیں تو بے جا نہ ہوگا۔

❀...❀...❀

حوالہ جات

1. Sayed Hadi Sadeghi, Pathology of Learning in Cyber Space (Concept, Structures and Processes)(Poland: Polish Academy of Scienes, Systems Research Institute, P.ix
2. David Beli, Brian D. Loader, Nicholas Pleace and Douglas Schuler, Cyberculture: The Key concept, London: Roultedge TaylorFrancis Group, 2004,P. 41
3. Ibid, P.43

۴۔ اطہر بیگ، مرزا، صفر سے ایک تک (سائبر سپیس کی منشی کی سرگزشت)، لاہور: سانجھ پبلی کیشنز، اشاعت اول، ۲۰۰۹ء، ص ۱۰

۵۔ ایضاً، ص ۴۹

۶۔ ایضاً، ص ۸، ۹

۷۔ ایضاً، ص ۳۷۵

۸۔ ایضاً، ص ۲۶، ۲۷

۹۔ ایضاً، ص ۱۲۵

10. Cyberculture: The Key Concepts, P.88

۱۱۔ ایضاً، ص ۱۲۵

۱۲۔ ایضاً، ص ۷۱، ۷۲

۱۳۔ ایضاً، ص ۹

۱۴۔ ایضاً، ص ۱۱۴

۱۵۔ ایضاً، ص ۱۳۵

۱۶۔ ایضاً، ص ۱۴۶

۱۷۔ ایضاً، ص ۱۵۷

۱۸۔ ایضاً، ص ۱۶۴

۱۹۔ ایضاً،ص ۲۷

۲۰۔ ناصر عباس نیّر، ڈاکٹر، لسانیات اور تنقید، لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۸ء، ص ۵۲

۲۱۔ ایضاً،ص ۲۱۸

۲۲۔ ایضاً،ص ۱۳

۲۳۔ ایضاً،ص ۲۹۰،۲۹۱

24. Deepanjali Mishra, Cyberfeminism and Gender Violence in Social Media, India: Kalina Institute of Industrial Technology, 2023,P.XXI

۲۵۔ ایضاً،ص ۲۸۰

۲۶۔ ایضاً،ص ۲۶۹

۲۷۔ ایضاً،ص ۲۷۴،۲۷۵

۲۸۔ ایضاً،ص ۴۲

۲۹۔ ص ۲۰۸

❁…❁…❁